ڈاکٹر قاسم یعقوب
لیکچرار، شعبہ اردو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ادب میں جانوروں کا تحقیری بیانیہ

Dr. Qasim Yaqub
Lecturer, Department of Urdu, Allama Iqbal Open University, Islamabad

Derogatory portrayal of animals in literature

Animal symbols are used extensively in literature. Animals are often used for moral symbolic systems as can be seen in Mantaq ul tair. However, Rafiq Hussain and Mustansar Hussain Tarad used it in fiction to understand ecological references. Allama Iqbal has also derived instructive messages from animals, birds and insects in his poetry.But there is another symbolic use of animals and that is their derogatory narrative. They are looked down upon socially. Derogatory terms for animals are used in literature around the world.This article discusses from this aspect what is the reason why animals are remembered with derogatory terms.

Key Words: Animals in literature, Fiction, Ecological srtudy, Nature

---

آپ نے یہ الفاظ اکثر سنیں ہوں گے:

’انسان بن، جانور نہ بن‘

’وہ تو انسانی روپ میں بھیڑیا ہے‘

’تمھاری عقل گھاس چرنے گئی ہے؟‘

’تمھیں مار مار کے دنبہ بنادوں گا‘

’اوئے گدھے کے بچے‘

’خنزیر کی اولاد‘

اور پھر کتے کے بارے میں بھی تو القابات اتنے عام ہیں کہ ان کے بتانے کی یہاں ضرورت

نہیں۔ اساطیری کہانیوں میں موجود ہے جب انسان اسفل یا گھٹیا حالت کا سامنا کرتا ہے تو وہ بندر (یا جانور) بن جاتا ہے۔ کچھ مذاہب میں آواگون کا نظریہ موجود ہے جس کی رُو سے انسان اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے دنیا میں دوبارہ آتا ہے اور اس کی روح مختلف جانوروں (چرند، پرند، حشرات وغیرہ) میں ظہور کرتی ہے۔ یوں جانوروں کا وجود ہی انسان کے بُرے اعمال کا نتیجہ ہے۔ جاتک کہانیوں کا پس منظر یہ ہے کہ گوتم بدھ اسی آواگون (Reincarnation) کے تحت مختلف حیوانی وجودوں میں کایا کلپ ہوتا ہوا انسانی روپ میں آیا اور گیان پانے میں کامیاب ہوا۔ بدھا کو اپنے پچھلے تمام روپ یاد ہیں۔ وہ بندر، بٹیر، سانپ، کتا وغیرہ بن کے ان مخلوقات میں موجود رہا ہے۔ البتہ بدھ مت کے پیروکاروں میں جانوروں کے حوالے سے ایک فرق یہ ہے کہ وہ بدھا کو ان مخلوقات کے دکھ درد میں شریک بتاتے ہیں۔ ان کی کایا کلپ اس کے گناہوں کی وجہ یا اسفل حالت کا دوسرا روپ نہیں۔

رفیق حسین کو اردو افسانے میں ان کی حیوانات کے موضوع پر لکھی جانے والی کہانیوں کی وجہ سے ممتاز مقام حاصل ہے۔ رفیق حسین نے پہلی دفعہ اردو افسانے میں جانوروں کی زندگی کے مشاہدات کو فکشن کے قالب میں ڈھالا۔ یہ محض ''شکاریات ''قسم کی چیز نہیں تھی بلکہ اس میں انسانی تمدن میں حیوانات کو سمجھنے کی طرف اہم اشارے بھی تھے۔ عمومی طور پر جانوروں پر لکھنے والے انسانی احساسات کو حیوانات پر لاگو کر کے لکھتے ہیں۔ یعنی ہم انسان جن معاملات میں حسّاس ہوتے ہیں، انھی معنوں میں حیوانات کو بھی جذباتی دکھایا جاتا ہے۔ یوں جانور کو سمجھنے کے لیے انسان کی عینک ضروری سمجھی جاتی ہے۔ انسانی عینک پہن کے جب جانوروں کو سمجھا جاتا ہے تو انسان خود کو پہلے ہی ''اشرف ''سمجھنے لگتا ہے۔ یوں حیوانی مخلوقات دوسرے درجے کی یا کم از کم انسان سے کم تر مخلوق بن جاتی ہیں۔ رفیق حسین کو پڑھتے ہوئے ایک جگہ مجھے سخت حیرانی ہوئی کہ وہ بھی جانوروں کو انسانی پیمانے سے ماپ رہے ہیں، حالاں کہ انھیں تو دعویٰ ہے کہ وہ جانوروں کو بہتر سمجھتے ہیں:

ان کے افسانے ''ہر فرعونے راموسیٰ ''کی ابتدا ہی میں یہ لائنیں دیکھیے:

''جنگل کے واسطے ابھی بہت سویرا ہی تھا، اس لیے سئور، چیتل اور نیل گائے ایسے ہی نیچ ذات جانوروں کی صورتیں فی الحال نظر آ رہی تھیں جو کہ پوری طرح رات نہ ہونے کی وجہ سے قدرے بے خوف ادھر اُدھر خوراک کی جستجو میں جا رہے تھے۔(1)

کیا جانور نیچ ذات ہوتے ہیں؟

کیا مخلوقات میں صرف انسان اعلیٰ ذات رکھتا ہے؟

کیا حیوانات کی بھی ذاتیں ہوتی ہیں؟ جو اعلیٰ اور گھٹیا میں تقسیم ہیں؟

یقین مانیں؛ پہلے تو حیرانی ہوئی کہ رفیق حسین جیسا افسانہ نگار یہ کیا لکھ رہا ہے۔، مگر دوسرے ہی لمحے افسوس ہوا کہ یہ صرف ایک کہانی کار ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ انسانی معاشرت میں پائے جانے والے اُس 'تفاخر' کے بیانیے کا اظہار ہے جو انسان کو پیدائش کے ساتھ ہی ہر طرح کی مخلوقات سے 'اشرف' ہونے کا عندیہ دیتا آرہا ہے۔

فکشن کی طرح شاعری میں بھی جانوروں کو حقیر تصور کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں کتا ایک ایسا جانور ہے، جسے ناپاک اور نجس جانور کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ فیض نے کتے کی مثال میں مجبور اور بے کسوں کے حال کی تصویر کشی کی ہے:

یہ گلیوں کے آوارہ بے کار کتے

کہ بخشا گیا جن کو ذوقِ گدائی

زمانے کی پھٹکار سرمایہ ان کا

جہاں بھر کی دھتکار ان کی کمائی

دھتکار اور ذوقِ گدائی انسانی سماجی رویے ہیں جو کتوں سے منسوب کر دیے گئے، ورنہ جانور اس 'منصب' سے آگاہ نہیں ہوتے۔ ان کی مجبوری و بے کسی یہ ہے کہ وہ فطرت کی قید میں ہوتے ہیں۔ چوں کہ کتا انسانی سماج میں رہنے والا جانور ہے، اس لیے انسان اسے اپنی کیفیات میں شریک کر لیتا ہے۔ وہ دھتکار اور گدائی جو انسانی معاشرت میں موجود ہوتی ہے، کتوں میں دیکھنے لگتا ہے۔ نسیم عباسی کا ایک شعر ہے:

کھلے ہیں اونچی حویلی کے پالتو کتے

فقیر راہ ذرا دیکھ بھال کر جائے

اگرچہ اس شعر میں اونچی حویلی پر گہرا طنز ہے جو عاشق کی توقیر کرنا ہی نہیں جانتی مگر حویلی کی طرف سے تحقیر کے لیے کتے موجود ہیں جو عاشق پر بھونک سکتے ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے، جب کہ کتا بھوکنے والی حقیر مخلوق۔

'اشرف المخلوقات ' سے کیا مراد ہے؟ 'اشرف ' کے لغوی معنی ہیں بزرگی والا یا بہتر۔اور یہ 'بزرگی ' اس کے شعور کی وجہ سے ہے جو دوسری مخلوقات کو حاصل نہیں۔ اگر انسان اور حیوانات میں بنیادی فرق اُس شعور کا ہے جو انسان کے پاس ہے، جانور کے پاس نہیں تو اس سے جانوروں کا انسانوں کے مقابلے میں "پنچ ذات "ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے؟یوں تو انسانوں میں بھی دنیا کے آدھے انسان بنیادی انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے اہل نہیں۔لکھ پڑھ نہیں سکتے یا اعلیٰ تخلیقی اذہان نہیں رکھتے۔کیا شعور یا سمجھ بوجھ کی بنیاد پر یہ تقسیم انسانوں میں جائز ہوگی کہ دنیا کے آدھے انسان حقیر اور آدھے اشرف ہیں؟کسی ایک مخلوق کی خوبی دوسری مخلوق میں اس کی عدم دستیابی کی وجہ سے 'بزرگی 'بن جاتی ہے؟اگر شعور ہی سب کچھ ہے تو انسان اسی شعور کی وجہ سے 'بدتر 'کیسے ہو سکتا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ انسان اپنے جبلی وجود میں شعور رکھتا ہے جب کہ جانور ا اپنے جبلی وجودوں میں باشعور۔خدائے کائنات نے دونوں کو الگ الگ اور مکمل شعور فراہم کر رکھا ہے۔ دونوں کو وجود ان کے وجودی حوالوں کے عین مطابق ہے۔گھٹیا، کم ظرف، پنچ ذات، بے غیرت یا کم تر وغیرہ تو انسانی رویے ہیں۔ان سے دوسری مخلوقات کو کیا لینا۔گھٹیا اور اعلیٰ کے پیمانے تو انسان خود بناتا ہے جانور کو اس سے کیا غرض۔

جب کسی ایک مخلوق کی فضیلت کی بات کی جاتی ہے تو اس سے دوسری مخلوق کے گھٹیا یا پنچ ذات ہونے کا تصور پیدا نہیں ہوتا۔چیزیں اپنے تضاد سے اپنا وصف واضح کرتی ہیں، اپنی درجہ بندی متعین نہیں کرتیں۔یوں دیکھا جائے تو شیر کے پاس بے پناہ طاقت کے اظہار کی ایسی خوبی ہے جو انسان کے پاس نہیں، حتیٰ کہ کتوں کے پاس وہ طاقت اور حاضر دماغی ہے جو انسان کا وصف نہیں تو کیا ہم کسی وصف کی بنا پر ان جانوروں کو انسان سے افضل قرار دے سکتے ہیں؟

ہمارا عمومی تصور جانوروں کو گھٹیا اور حقیر تصور کرتا ہے۔اس میں مشرق و مغرب کی کوئی تفریق نہیں۔

فیروز اللغات میں جو حیوان کے معنی لکھے گئے ہیں، ملاحظہ ہوں:

"حیوان: جاندار، ذی روح (۲) مویشی، چوپایہ (۳) نادان، بے وقوف، وحشی

حیوانِ مطلق: جانور، بے سلیقہ، بد تمیز، بالکل گنوار

حیوانِ ناطق: بولنے والا جانور یعنی ناطق) "۲(

کیمبرج(Cambridge) ڈکشنری کے مطابق حیوان معنی دیکھیے:

Animal [noun] (BAD PERSON)

an unpleasant, cruel person or someone who behaves badly:

He's a real animal when he's had too much to drink.

یہ کسی ایک خطے کا سماجی رویہ نہیں بلکہ بنی نوع انسانی کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ جانور بد تمیز، گھٹیا، حشی، گنوار اور بد سلیقہ مخلوقات کو کہتے ہیں۔

انسانی معاشرت کا اس سے بڑا سماجی مغالطہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ انسان جو صدیوں سے جانوروں کے ساتھ بلکہ تمام مخلوقات کے مشترکہ سماج میں رہتا رہا ہے، تمدن کے دامن میں سمٹتے ہی اس نے جانوروں کو گنوار اور اپنی شعوری حالت سے الگ کرنے کی غرض سے اسے حقیر اور گھٹیا کہنا شروع کر دیا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جانوروں کے وجود کے گھٹیا تصورات کے ساتھ ساتھ دنیا کے بیشتر مذاہب اور ثقافتوں میں جانور آج بھی ایک مقدس اور طاقت کے روپ میں موجود ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں گائے اور بندر، سانپ جاپان میں، چین میں کچھوے، برصغیر کے مسلمانوں کے ہاں کبوتر اور انگلستان میں اُلّو کو نہ صرف مقدس بلکہ مختلف انسانی صفات کے ساتھ انسانی سماج کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ عرب تہذیب میں جانوروں کو تقدس دینے کی بجائے ان کی صفات کی بنا پر حرام حلال یا حقیر قرار دینے کی روایت قائم ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ جانوروں کی ایک ماورائی طاقت کی شکل میں انسانی سماج میں جو شمولیت رہی ہے وہ آج بھی کسی نہ کسی شکل میں قائم ہے۔

Animality یعنی حیوانی مطالعات کا ایک اہم شعبہ Anthrozoology بھی ہے جس میں انسانوں اور جانوروں کے باہمی تعاملات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ انسان کس طرح جانوروں کے ساتھ تعلقات قائم کرتا ہے اور اس باہمی تعلق کے نتیجے میں انسانی سماج پر نفسی، طبی، بشریاتی اور جذباتی سطح پر کیا کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں Anthrozoology کا بنیادی موضوع ہے۔ سرمایے اور حیوانات کا بھی گہرا تعلق ہے۔ سرمایے نے جانوروں کو ایک کموڈٹی کے طور پر استعمال کیا اور ان کی فطری شناخت کو بدل کے افادی شناخت عطا کی۔ ڈیوڈ نبرٹ کی کتاب Animal Opression and Capitalism اس ضمن میں بہت اہم ہے جس میں جانوروں کو بطور خوراک سرمایہ داریت کے تناظر میں زیرِ بحث لایا گیا ہے۔)۳(

اگر ہم تاریخ میں جھانکیں تو پتا چلتا ہے کہ انسانی سماج میں فیبل بہت مشہور رہی ہیں۔ فیبل ایسی

کہانیاں ہیں جس میں انسان اور جانوروں کے باہمی تجربات کی بنیاد پر کسی کہانی میں سبق آموز پیغام دیا جاتا ہے۔ چوں کہ جانور انسانی معاشرت میں ہمیشہ ساتھ رہے ہیں، اس لیے ان کسے طرح طرح کی کہانیاں وابستہ ہیں، جو سبق آموز نتائج رکھتی ہیں۔ نقلوں میں جانوروں کی کہانیوں کے ذریعے انسانوں سے خطاب کیا جاتا۔ مثلاً "نقلیات " جسے میر بہادر علی حسینی نے ترتیب دیا، میں مکھی کے حوالے سے ایک نقل ہے:

"ایک روز ہارون رشید بادشاہ کے منہ پر مکھی آن کر بیٹھی۔ وہ دق ہوا اور اپنے ایک مصاحب سے پوچھا کہ خلقت مکھی کی حق تعالیٰ نے کس واسطے بنائی۔ اُس نے کہا جہاں پناہ! متکبروں کی نخوت کے توڑنے کو۔ بادشاہ سن کر چپ ہو رہا۔) "(۴

یہاں مکھی کے وجود کا جواز بتانے کی بجائے مکھی کے اُس کردار سے پیغام اخذ کیا جارہا ہے جو متکبروں کی نخوت توڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یوں دیکھا جائے تو ادب میں جانوروں سے سبق آموز پیغام لینے کی روایت موجود ہے، مگر اس سلسلے میں جانور سے زیادہ انسان اہم ہوتا ہے۔ جانور کے ذریعے انسان کو پیغام دیا ہے کہ اگر وہ ایسی خاصیت رکھ سکتا ہے تو انسان کیوں نہیں۔

جب ہم جانوروں کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایسی کوئی شعوری صفت نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے ہم ان سے نظریاتی یا شعوری فاصلہ قائم کریں۔ جب انسان جانوروں سے ربط قائم کرتا ہے تو ان کی عادات یا رہن سہن کی بنیاد پر ان کو مختلف صفات عطا کرنے لگتا ہے۔ انسان چوں کہ شعور رکھتا ہے لہٰذا جانوروں سے اخلاقی، نظریاتی اور اقداری رویے منسوب کرنے لگتا ہے۔ حشرات ہوں یا اُڑنے والے پرندے، چوپائے ہوں یا پانی میں دوڑنے والی مخلوقات سب شعور سے عاری فطرت کے بندھے ٹکے نظام میں قید ہیں۔ انسان خود فطرت کا پروردہ ہے اور اس کے اٹل نظام میں قید ہے۔ شعور رکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ فطرت سے ماورا ہے۔ اس کا شعور بھی فطرت ہی کا ایک حصہ ہے جس کی بنیاد پر وہ کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے فطری وجود کو سہارا دیتا ہے۔ جانور فطرتی نظام (Nature System) کا ایسا عنصر (Component) ہیں جو انسان کو براہ راست متاثر کرتا ہے بلکہ بعض ماحولیاتی حالتوں میں انسان جانور کے بغیر رہ بھی نہیں سکتا۔ ان کی زندگیاں انسان کی زندگی سے بہت مشابہ ہونے کی وجہ سے ان سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ کھانا، پینا، سونا، ڈرنا، چھیننا، حملہ کرنا، گھر بنانا، بیمار پڑنا، مرنا وغیرہ انسانی اور حیوانی رویوں میں مشترک بدنی رویے ہیں۔ اس لیے انسان نے جانوروں کو اپنے معاشرے

میں مختلف صفاتی حوالوں سے پہچان دے دی۔ جیسے بزرگی، شرافت، بزدلی، بہادری، چالاکی، مکاری، خوبصورتی، طاقت وری، خون خواری، سمجھ داری وغیرہ۔ یہ سب خصوصیات انسانوں میں پائی جاتی ہیں جو جانوروں میں انسان اپنی نظر سے دیکھتا رہا ہے۔ حالاں کہ ان کے پاس یہ انسانی صفات نہیں ہوتیں۔ یہ صدیوں کا باہمی میل جول اور ارتباط تھا کہ انسان نے جانوروں کو صرف صفات ہی نہیں دیں بلکہ اپنے سماج کے لیے لازم و ملزوم حصہ بنا رکھا تھا۔ انھیں اپنے وجود تک میں محسوس کرتا رہا۔ سلیم اختر لکھتے ہیں:

"اساطیر میں مرد عورت اور مختلف جانوروں کے اجسام یا اعضا کے ملاپ سے تشکیل کردہ مخلوق یا دیوی دیوتا بھی اسی باعث تھے مثلاً یونانیوں میں گھوڑے کے دھڑ اور مرد کے سر والا 'قنطور (Cantoaur) 'رومیوں میں بکرے کے جسم اور مرد کے سر والا ساطیر (Satyr) اور ہندوؤں میں دانش اور مشکل کشائی کا دیوتا 'گنیش' جس کا سر ہاتھی کا اور جسم بچہ کا ہے۔ یہ سب انسان اور حیوان کو ایک سطح پر دیکھنے کے باعث ممکن ہو سکا۔ اسی ان مل کا ملاپ داستانوں کی تخلیقی فضا میں پری، جل پری، مختلف شکلوں کے جنوں بھوتوں چڑیلوں اور عفریتوں کی صورت میں تخیل کے لیے مہمیز کا باعث بنا۔)"۵(

مختلف مذاہب نے انسان کا جانوروں سے ایک فاصلہ قائم کرنے کے علاوہ ان سے ناپاکی اور انسانی اقدار بھی جوڑ دیں۔ جس کی وجہ سے جانوروں کا وجود انسانی معاشروں میں اقداری نوعیت اختیار کرتا گیا۔ خاص طور پر سامی النسل معاشروں میں جانور کو بے عقل، ناسمجھ، ناپاک اور گھٹیا قرار دینے کی روایت مضبوط تر ہوتی گئی۔ آج دنیا بھر میں ایک طرف جانوروں کی پوجا کی جارہی ہے اور دوسری طرف ان کو نجس اور نیچ ذات سمجھا جاتا ہے۔

یہ بڑا دلچسپ سوال ہے کہ اگر جانوروں کے پاس شعور آجائے تو وہ انسان کو کن کن القاب سے نوازے گا؟

حوالہ جات

۱۔ انتخاب سید رفیق حسین: مرتبہ، آصف فرخی، آکسفرڈ، کراچی، ۲۰۱۵ء، ص ۹۷

۲۔ فیروز الغات، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۹ء، ص ۸۷۵

3.Animal oppression and capitalism / David Nibert, editor

۴۔ نقلیات: میر بہادر علی حسینی، مرتبہ، وقار عظیم، مجلسِ ترقی ادب لاہور، مئی ۱۹۶۶ء، ص ۱۶

۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر: اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگِ میل پبلشرز لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۱۷۲